

ماہنامہ محدث لاہور

شمار نمبر:9 ۔۔۔۔ جلد نمبر 1 ۔۔۔۔ شمارہ نمبر 10 ۔۔۔۔ ستمبر 1971ء ۔۔۔۔ رجب المرجب 1391ھ

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبد الرحمٰن مدنی　　　مُدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے۔جس کا نام محدث تھا کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبد الرحمٰن مدنی نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ 1970ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

ماہنامہ محدث لاہور

اجرائے مُحدث کے مقاصد

عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ! کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

فہرست

فکر و نظر

رجب المرجّب

ماہِ رجب کے فضائل کے متعلق چند احادیث ملتی ہیں جو صحیح نہیں ہیں۔ شیخ عبد الحق دہلویؒ نے "ماثبت بالسنہ" میں رجب کی فضیلت کے بارے میں چند حدیثیں لکھ کر ان کے متعلق تحریر کیا ہے کہ یہ حدیثیں صحیح نہیں، ان میں سے اکثر ضعیف اور موضوع ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "تبین العجب" میں فضیلت ماہِ رجب سے معلقہ حدیثوں پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "ان میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں کہ انہیں حجت قرار دیا جائے۔" شیخ علامہ قاضی القضاۃ یمن محمد بن علی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کتاب "السیل الجرار" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

لَمْ یَرِدْ فِیْ رَجَبَ عَلَی الْخُصُوْصِ سُنَّةٌ صَحِیْحَةٌ وَلَا حَسَنَةٌ وَلَا ضَعِیْفَةٌ ضُعْفًا خَفِیْفًا بَلْ جَمِیْ مَا رُوِیَ فِیْهِ لَی الْخُصُوْصِ إِمَّا مَوْضُوْعٌ مَكْذُوْبٌ أَوْ ضَعِیْفٌ شَدِیْدُ الضَّعْفِ وَغَایَةُ مَا یَصْلُحُ التَّمَسُّكُ بِه إِسْتِحْبَابُ صَوْمِه مَا وَرَدَ فِیْ حَیْثِ الرَّجُلِ الْبَاهِلِیِّ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَه صُمْ أَشْهَرَ الْحُرُمِ وَرَجَبُ مِنَ الْأَشْهُرِ الْحُرُمِ بِلَا خِلَافٍ وَهٰذَا الْحَدِیْثُ أَخْرَجَه أَحْمَدُ وأَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ لٰكِنَّه لَا یَدُلُّ عَلٰی شَهْرِ رَجَبَ عَلَی الْخُصُوْصِ۔"

"علی الخصوص ماہ رجب کے متعلق کوئی صحیح حسن یا کم درجے کی ضعیف سنت وارد نہیں بلکہ اسی سلسلے کی تمام مرویات یا تو موضوع اور جھوٹی ہیں یا انتہائی درجے کی ضعیف زیادہ سے زیادہ اس ماہ کے روزے کے مستحب ہونے کی دلیل مل سکتی ہے۔ کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک باہلی آدمی کو فرمایا تھا کہ حرمت کے مہینوں کے روزے رکھو، اس حدیث کو احمد او داؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے لیکن اس سے بھی ماہِ رجب کی خصوصیت ثابت نہیں ہوتی۔"

علامہ شوکانی نے اس کے بعد فرمایا ہے کہ زیادہ مناسب یہی ہے کہ یوں کہا جائے کہ اشہر حرم کا روزہ مستحب ہے اس لئے کہ اس کی خصوصی دلیل ملتی ہے اور ابن عباسؓ کی وہ حدیث جس میں نبی ﷺ نے رجب کے روزے سے منع فرمایا ہے، وہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں زید بن عبد الحمید اور داؤد بن عطا دو (۲) ضعیف راوی ہیں۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہونے کے باوجود اس حدیث کے مقابلے میں زیادہ قوی ہے جس میں رجب کے روزے کا مستحب ہونا مذکور ہے۔

حضرت عمرؓ لوگوں کو ماہِ رجب کی تعظیم سے روکتے اور فرماتے تھے کہ جاہلیت والے اس مہینے کی عزت و تعظیم کرتے تھے۔ زید بن اسلمؓ کی ایک حدیث میں بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ سے رجب کے روزے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم "شعبان کو چھوڑ کر کدھر چلے گئے ہو" یہ حدیث مرسل ہے اور اسے "ابن ابی شیبہ" نے روایت کیا ہے۔

نئی ایجاد شدہ نمازیں:

اس مہینے میں "لیلۃ الرغائب" معروف ہے یہ رجب کے پہلے جمعہ کی رات ہوتی ہے، بعض مشائخ نے اس رات کے لئے ایک نماز ایجاد کی ہے جس کا اہل حدیث نے سختی سے انکار کیا ہے اور علماء نے اس کے باطل ہونے کے متعلق مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ علامہ ابن حجر مکیؒ نے اپنی ایک کتاب میں ایسی سب نمازوں کو جمع کیا ہے جو ازروئے سنت ثابت نہیں ہیں اور واضح کیا ہے کہ ایسی ایجاز شدہ نمازیں بدعت مکفرہ ہیں، لیکن شیخ عبد الحق دہلویؒ نے "ماثبت بالسنۃ" میں اس رات اور اس نماز کو صحیح ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ ایسے ہی وجوہ سے بعض محققین نے شیخ عبد الحق دہلویؒ کو "سنی سست اور حنفی چست" کہا ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ پر مشائخ صوفیہ کی محبت غالب تھی جس کی وجہ سے انہوں نے مشائخ کی اس نماز کو درست قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ یہ نماز واضح طور پر بدعت ہے اور جو کوئی اس کو ازروئے سنت صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرے گا وہ اپنا عزیز وقت ضائع کرے گا۔

امام غزالیؒ نے بھی اس نماز کا ذِکر کیا ہے اور اس کی ترکیب تحریر کی ہے لیکن صرف مشائخ اور درویشوں کے اقوال و اعمال سے کوئی عبادت ثابت نہیں ہو سکتی، تاوقتیکہ علمائے حدیث و قرآن اس کے قائل نہ ہوں۔ اس جگہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا قول دہرانا مناسب ہو گا کہ "جس مسئلہ میں علمائے دین اور صوفیہ و مشائخ کے درمیان اختلاف ہو، اس میں حق ہمیشہ علماء کی طرف ہوتا ہے۔"

اور وہ کون سا شیخ، صوفی یا عالم ہے جس سے کسی مقام پر کوئی خطا، سہو یا غلط قیاس نہ ہوا ہو؟ اسی لئے عمل کے واسطے میزان عدل الٰہی یہ ہے کہ:

فَبَشِّرْ عِبَادِيَ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ احسنَه أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَاهُمُ اللهُ وَأُولٰئِكَ هُمْ أُولُوا الْاَلْبَابِ۔

معراج شریف:

معراج النبی ﷺ کے متعلق جو اقوال ملتے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسی ماہ کی ستائیس تاریخ کو بوقت شب معراج ہوئی تھی۔ لیکن بعض علماء نے یہ بات صحیح قرار دی ہے کہ ۱۴ ر مضان یا ربیع الآخر، بعثت کے دوسرے سال معراج ہوا۔ واللہ اعلم۔

بدعات:

اس ماہ میں جتنی بدعات عوام وخواص میں مروج ہیں وہ سب گمراہی کے کام ہیں، مومن کو کسی بدعت کا مرتکب نہیں ہونا چاہئے اور کسی مشتبہ عمل کو اپنانا نہیں چاہئے، کیونکہ ایسے امور سے انسان نور ایمان سے عاری ہو جاتا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ الْمُؤمِنُوْنَ وَقَّافُوْنَ عِندَ الشَّبَهَاتِ (مومن مشتبہ امور سے اجتناب کرتے ہیں) (اتباع الحسنۃ فی جملہ ایام السنۃ)

نادان ہیں جو شادابیٔ گُل سے آنکھ لگائے بیٹھے ہیں

عبد الرحمن عاجزؔ رحمانیہ دار الکتب لائل پور

بچپن کا زمانہ، عہدِ جوانی یونہی لٹائے بیٹھے ہیں	ہم اپنے گھر کو اپنے ہاتھوں آگ لگائے بیٹھے ہیں
جو کام کے دن تھے بیت گئے وہ مدہوشی کے عالم میں	اُس اک اک لمحہ پر اب سو سو اشک بہائے بیٹھے ہیں
کس طور سے پہنچے گا منزل پر اے طائر بد قسمت تو	صیاد ہزاروں رستہ بھر میں دام بچھائے بیٹھے ہیں
اے جانے والے دیکھ نہ تو رنگینیٔ محفل کی جانب	ہم لمحہ بھر کی عشرت سے سو درد اُٹھائے بیٹھے ہیں
اس فصلِ بہاراں کے پردے میں دور خزاں ہے پوشیدہ	نادان ہیں جو شادابیٔ گُل سے آنکھ لگائے بیٹھے ہیں
یہ غنچے اپنی نکہت میں پوشیدہ شرارے رکھتے ہیں	اس گلشن کے لاکھوں بلبل گھر اپنے جلائے بیٹھے ہیں
ہوشیار! کہ تیری راہِ سفر معمور ہے ساری کانٹوں سے	اس راہ میں کتنے اہل خرد دامن الجھائے بیٹھے ہیں
آتے رہے ہیں پیش نظر دن رات جنازوں کے منظر	حیرت ہے یہ پر کیوں اپنی اجل ہم دل سے بھلائے بیٹھے ہیں؟
اس دارِ فنا سے چلے گئے کتنے یار و غمخوار اپنے	ہم کتنے جگر گوشے اپنے قبروں میں دبائے بیٹھے ہیں
ہر صبح سفر ہر شام سفر عاجزؔ آخر انجام سفر	
کچھ چلے گئے کچھ جائیں گے دنیا میں جو آئے بیٹھے ہیں	

عورت نکاح میں ولی کی محتاج کیوں ہے؟

تحریر: مولانا محمد صاحب کنگن پوری قسط نمبر ۳

گزشتہ دو اقساط میں مسئلہ کی وضاحت قرآنی آیات سے ہو چکی ہے۔ اب اس کی تشریح احادیث نبویہ سے پیش کی جا رہی ہے۔

حامل قرآن مبلغ فرقان رہبر دو جہاں فداہ ابی و امی ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ جو عورت کے نکاح میں لی کی شرط ہونے پر دال ہیں وہ بے شمار کتبِ حدیث میں روایت کئے گئے ہیں۔ خصوصاً صحاح ستہ کی کوئی کتاب اس سے خالی نہیں۔ بعض ائمہ نے تو مشہور حدیث لا نکاح الا بولی کے الفاظ سے ہی باب منعقد کئے ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے باب من قال لا نکاالا بولی (ص ۷۶۹) اور ترمذی ص ۱۷۵ میں ہے باب ما جاء لا نکاح الا بولی ابن ماجہ میں ہے لا نکاح الا بولی منتقی ابن تیمیہؒ میں ہے باب لا نکاح الا بولی (ص ۱۰۱ مع نیل) نہ معلوم اور کتنے لوگوں نے ایسا کیا ہے۔ ابوداؤد میں یوں ہے باب فی الولی (ج ۲، ص ۱۹۰) باب الولی فی النکاح واستیذان المراۃ۔

مشکوٰۃ میں ہے:

عن ابی موسٰی عن النبی ﷺ قال لا نکاح الا بولی رواہ احمد والترمذی وابو داؤد وابن ماجه والدارمی

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ولی کے بغیر نکاح جائز نہیں۔ (اس کو احمدؒ، ترمذیؒ، ابو داؤدؒ، ابن ماجہؒ اور دارمیؒ نے روایت کیا ہے)

ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۷۵ میں ہے:

عن ای موسٰی قال قال رسول الله ﷺ لا نکاح الا بولی

ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۹۱ میں ہے:

عن ابی بردۃ عن ابی موسٰی ان النبی ﷺ قال لا نکاح الا بولی (ابوداؤد مع عون المعبود ج ۲، ص ۱۹۱)

ابن ماجہ صفحہ ۵۷۰ میں ہے:

عن ابی موسٰی قال قال رسول الله ﷺ لا نکاح الا بولی

منتقی ابن جارود میں یہ حدیث ابو موسیٰ سے چار دفعہ چار سندوں سے انہی الفاظ لا نکاح الا بولی سے روایت کی گئی ہے۔

منتقی ابن تیمیہؒ جلد ۶ صفحہ ۱۰۱ میں ہے:

عن ابی موسٰی عن النبی ﷺ قال لا نکاح الا بولی (رواہ الخمسه الا النسائی)

یہ حدیث ابو موسیٰ کے علاوہ اور صحابہ سے بھی مروی ہے چنانچہ ابن ماجہ میں یہ حدیث عائشہ، ابن عباس اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم تینوں سے روایت کی گئی ہے:

عن مروہ عن عائشة عن النبی ﷺ وعن عکرمة عن ابن عباس قالا قال رسول اللہ علیہ وسلم لا نکاح الا بولی

عن ابی بردۃ عن ابی موسٰی قال قال رسول اللہ ﷺ لا نکاح الا بولی (ابن ماجہ ج۱، ص۲۹۷)

بلوغ المرام صفحہ ۷۹ میں ہے:

عن ابی بردۃ بن ابی موسٰی عن ابیه قال قال رسول اللہ ﷺ لا نکاح الا بولی وروی الامام احمد عن الحسن عن عمران بن الحسین مرفوعا لا نکاح الا بولی وشاھدین رواہ احمد والاربعة وصححه ابن المدینی والترمذی وابن حبان واعل بالارسال۔

ترجمہ:یعنی ابوبردہ بن ابی موسیٰ اپنے باپ (ابوموسےٰ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نکاح ولی کے بغیر جائز نہیں اور امام احمد نے عمران بن حصین سے روایت کیا ہے کہ نکاح ولی اور دو شاہدوں کے بغیر جائز نہیں۔(اس کو امام احمد، سنن اربعہ، ابن مدینی، ترمذی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور ابن مدینی، ترمذی اور ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے اور اس میں مرسل ہونے کی علت بیان کی گئی ہے۔

حدیث لا نکاح الا بولی کے علاوہ دیگر احادیث جو ولی کی بغیر نکاح نہ ہونے پر دال، اور مذکورہ بالا حدیث کی مؤید ہیں ملاحظہ ہوں:

عن عائشة ان رسول اللہ ﷺ قال ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل فنکاحھا باطل فنکاحھا باطل فان دخل بھا فلھا المھر بما استحل من فوجھا فان اشتجروا فالسلطان ولی من لا ولی له رواہ احمد والترمذی وابو داود وابن ماجة والدارمی (مشکوٰۃ ص۲۷۱)

بلوغ المرام میں ہے اخرجه الاربعة الا النسائی وصححه ابو عوانة وابن حبان والحاکم (ص۷۹)

ترجمہ:یعنی حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ نکاح باطل ہے، باطل ہے باطل ہے۔ اگر خاوند اس سے صحبت کر بیٹھے تو عورت کے لئے مہر ہے۔ اگر اولیاء آپس میں تنازعہ کریں اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکے تو حاکم ولی ہے۔(اس کو احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ اور بلوغ المرام میں ہے اس کو سنن اربعہ نے سوائے نسائی کے اور ابو عوانہ، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا اور ابو عوانہ ابن حبان اور حاکم نے اس کو صحیح کہا۔ نیز اس کو یحیٰی بن معین نے بھی صحیح کہا ہے جیسا کہ سبل السلام میں ہے) نیز سبل السلام میں ہے وفی الحدیث دلیل علی اعتبار اذن الولی فی النکاح وھو یعقدہ لھا او عقد وکیله۔یعنی یہ حدیث اس پر دال ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح معتبر نہیں یا ولی خود اس کا نکاح پڑھے یا اس کا وکیل (سبل السلام ج۲ ص۶۴)

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تزوج المرءۃ المرءۃ ولا تزوج المرءۃ نفسھا فان الزانیة ھی التی تزوج نفسھا رواہ ابن ماجه (مشکوٰۃ ص۲۷۱)۔

بلوغ المرام میں ہے: رواہ ابن ماجه والدار قطنی ورجاله ثقات

ترجمہ: ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت نہ کسی عورت کا نکاح کرائے نہ اپنی ذات کا کیونکہ جو عورت اپنا نکاح خود بغیر ولی کے کراتی ہے وہ زانیہ ہے یعنی عورت نہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے اور نہ کسی دوسری کی ولی بن سکتی ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے گی تو وہ نکاح نہیں ہوگا زنا ہوگا۔ (اس حدیث میں بغیر ولی کے نکاح پر کتنی سخت وعید ہے کہ اس کو زانیہ فرمایا ہے۔ آخرت میں زانیہ کی سزا اس کو ملے گی)۔ اس حدیث کو ابن ماجہ اور دارِ قطنی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (بلوغ المرام ص ۷۹)

سبل السلام جلد ۲ ص ۶۵ میں ہے فیه دلیل علی المرءة لیس لها ولایة فی النکاح لنفسها ولا لغیرها الخ

ترجمہ: یعنی اس حدیث میں دلیل ہے کہ عورت کو اپنا یا دوسری عورت کا نکاح کرانے میں ولی بننا جائز نہیں۔

یہی جمہور کا قول ہے۔

مذکورہ بالا احادیث صحیح ہیں جیسا کہ بندہ نے ہر حدیث ذِکر کرنے کے بعد اس کی صحت بھی محدثین سے نقل کر دی ہے۔ پھر بھی بعض لوگ خواہ مخواہ ان احادیث کی صحت وضعف پر طویل بحث شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ محدثین کرام رحمہم اللہ نے ان کی ہر علت واعتراض کا مفصل جواب لکھ دیا ہے جو اپنا اطمینان کرنا چاہے وہ شروحات حدیث فتح الباری، نیل الاوطار اور عون المعبود وغیرہ خصوصاً سبل السلام شرح بلوغ المرام دیکھے اگر انصاف اور خدا خوفی سے کام لیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ تسلی ہو جائے گی۔

نیز یہ ایسا مسئلہ ہے جو غالباً حدیث کی کل کتابوں صحاح ستہ وغیرہ، میں موجود ہے۔ چنانچہ بہت سی کتب حدیث کے حوالے گزر چکے ہیں۔ آگے صحیحین سے ہی نقل کروں گا۔ پھر خواہ مخواہ انکار کرنا اور اس کے خلاف فتویٰ دینا انصاف وایمان کے تقاضا کے خلاف ہے اور اس کا موجب تقلیدِ شخصی ہے۔ اب بخاری شریف جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے اور صحیح جس کی صحت وشان صحیح بخاری کے بعد مسلمہ ہے، سے ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں امام بخاری نے باب من قال لا نکاح الا بولی منعقد کیا ہے۔ چونکہ مذکورہ بالا احادیث امام بخاری کی شرط پر نہ تھیں لہٰذا انہوں نے دیگر احادیث سے جو ان کی شرط پر ہیں اور بعض آیات سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ پہلے آیات ذکر کی ہیں۔ فرماتے ہیں:

لقول الله تعالیٰ فلا تعضلوهن فدخل فیه الثیب و کذلك البکر وقال لا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا وقال وانکحوا الایامی منکم

مولانا وحید الزمان نے اس کا یوں ترجمہ فرمایا ہے:

''بغیر ولی کے نکاح صحیح نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا ہے جب تم عورتوں کو طلاق دو پھر وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو (اے عورتوں کے اولیاء) تم کو ان کا روکنا درست نہیں (یعنی نکاح نہ کرنے دینا) سا میں ثیبہ اور باکرہ سب قسم کی عورتیں آ گئیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسی سورت میں فرمایا (عورتوں کے اولیاء) تم عورتوں کا نکاح۔ مشرک مردوں سے نہ کرو اور۔ سورہ نور میں فرمایا جو عورتیں خاوند نہیں رکھتیں ان کا نکاح کر دو۔''

اس ترجمہ پر مولانا مرحوم نے حواشی بھی دیئے۔ حاشیہ نمبر ا میں فرمات ہیں:

''اہل حدیث اور شافعیؒ اور احمدؒ اور اکثر علماء کا یہی قول ہے کہ عورت کا نکاح بغیر ولی کے صحیح نہیں ہوتا اور جس عورت کا کوئی ولی رشتہ دار زندہ نہ ہو تو

حاکم یا بادشاہ اس کا ولی ہے اور اس باب میں صحیح حدیثیں وارد ہیں جن کو امام بخاری اپنی شرط پر نہ ہونے سے نہ لا سکے۔

ایک ابو موسیٰ کی حدیث ہے کہ نکاح بغیر ولی کے نہیں ہوتا اس کو ابو داؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے نکالا اور حاکم اور ابن حبان نے اس کو صحیح کہا۔ ابن ماجہ کی ایک روایت ہے یوں ہے کہ عورت دوسری عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ کوئی عورت آپ نکاح کرے۔ اور ترمذی اور ابن حبان اور حاکم نے نکالا جو عورت بغیر اجازتِ ولی کے اپنا آپ نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے باطل، باطل۔ اور امام ابو حنیفہ نے بر خلاف ان احادیث کے یہ کہا ہے کہ بالغہ آزاد عورت اپنا نکاح آپ کر سکتی ہے۔ قسطلانی نے کہا، اب اگر کوئی عورت بغیر ولی اپنا نکاح آپ کرے اور شوہر اسی سے صحبت کرے تو اس پر حدِ زنا تو نہ پڑے گی، لیکن مہر مثل لازم ہو گا اور سزا دی جائے گی اور وہ جانتا ہو کہ ایسا کرنا حرام ہے۔''

حاشیہ نمبر ۲ میں جو آیت فلا تعضلوھن پر لکھا ہے وہ یہ ہے کہ:

''اس آیت سے امام بخاری نے یہ نکالا کہ نکاح ولی کے اختیار میں ہے ورنہ روکنے کا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا۔''

حاشیہ نمبر ۳ جو فدخل فیه الشیب و کذلك البکر پر لکھا ہے وہ یہ ہے کہ:

''بغیر ولی کے کسی کا نکاح صحیح نہیں ہو سکتا۔''

حاشیہ نمبر ۴ جو آیت لا تنکحوا المشرکین وانکحوا الایامی منکم پر لکھا ہے فرماتے ہیں:

''ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اولیاء کی طرف خطاب کیا کہ نکاح نہ کرو یا نکاح کر دو تو معلوم ہوا کہ نکاح کرنا ولی کے اختیار میں ہے۔''

اس کے بعد امام بخاری نے چار حدیثیں ذکر کی ہیں۔ پہلی دونوں حضرت عائشہ سے مروی ہیں۔ تیسری حضرت عمرؓ سے اور چوتھی معقل بن یسار سے، جو کافی طویل ہیں، ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ نکاح ولی کے اختیار میں ہے جس شخص سے مناسب سمجھے کر دے۔ جہاں نہ مناسب سمجھے نہ کرے۔ ہاں عورت کی رضا و اجازت بھی ضروری ہے۔

حاصل یہ کہ صحیح بخاری میں امام بخاری نے آیات و احادیث سے خوب ثابت کر دیا کہ ولی کے بغیر کسی عورت (ثیبہ ہو یا باکرہ) کا نکاح نہیں ہوتا۔

اس کے بعد صحیح مسلم ملاحظہ ہو۔ شرح نووی میں اگرچہ لا نکاح الا بولی کے الفاظ سے کوئی عنوان موجود نہیں لیکن بمطابق تبویب نووی جو حدیثیں ''باب استیذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت'' میں ذکر ہوئی ہیں وہ بھی ولی کی ولایت کے معتبر ہونے پر دال ہیں۔ اس سیاق میں امام مسلم نے کئی حدیثیں ذکر کی ہیں جو مشکوٰۃ سے نقل کرتا ہوں۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تنکح الایم حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستأذن قالوا یا رسول اللہ و کیف اذنھا قال ان تسکت (متفق علیه)

ترجمہ: یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بیوہ عورت سے مشورہ لیے بغیر نکاح نہ کیا جائے اور باکرہ سے ابھی اذن طلب کیا جائے۔ صحابہ نے عرض کیا، اس کا اذن کس طرح ہے؟ آپ نے فرمایا، اس کا خاموش رہنا۔ (مسلم بخاری نے اس کو روایت کیا۔ مشکوٰۃ ص ۲۷۰۔ مسلم جلد ا ص ۴۵۵

عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال الایم احق بنفسھا من ولیھا والبکر تستاذن فی نفسھا وانھا صماتھا وفی

روایة قال الثیب احق بنفسها من ولیها والبکر تستامر واذنها سکوتها وفی روایة قال الثیب احق بنفسها من ولیها والبکر یستاذنها ابوها فی نفسها واذنها صماتها (رواہ مسلم مشکوٰۃ ص ۲۷۰ مسلم ج ۱ ص ۴۵۵)

ترجمہ: ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بیوہ عورت اپنے نفس پر اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے اور باکرہ سے بھی مشورہ لیا جائے اور اس کی خاموشی اس کا اذن ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ بیوہ اپنے نفس پر اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے اور باکرہ سے اس کا باپ اذن طلب کرے اور خاموشی اس کا اذن ہے۔ اس کو مسلم نے روایت کیا۔ مشکوٰۃ ص ۲۷۰، مسلم جلد ا ص ۴۵۵

ان حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اولیاء کو ہی (جیسا کہ ایک روایت میں باپ کی تصریح موجود ہے) حکم دیا کہ ثیبہ کا نکاح جب تک وہ بول کر صراحتاً اجازت نہ دے نہ کریں اور باکرہ کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کریں مگر اس کی اجازت کے لئے بولنا ضروری نہیں بلکہ سکوت بھی کافی ہے۔

یہ حدیثیں جیسے اس بات پر دال ہیں کہ عورت کی اجازت کے بغیر نکاح جائز نہیں، اسی طرح اس پر بھی دال ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح جائز نہیں کیونکہ آپ نے اولیاء کو ہی اجازت لے کر نکاح کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ غیر اولیاء کو۔ معلوم ہوا کہ یہ کام اولیاء کے ہی سپرد ہے اور وہی اس کو انجام دے سکتے ہیں۔ ان کے کرنے سے ہی ہوگا ورنہ نہیں۔

اس کے بعد صحیح مسلم میں ایک دوسرا عنوان موجود ہے۔ ''باب جواز تزویج الاب البکر الصغیرۃ'' (یعنی باپ اگر اپنی چھوٹی سی بچی بے شعور کا نکاح کردے تو جائز ہے) اس باب میں امام مسلم نے حضرت عائشہؓ کے نکاح کا واقعہ متعدد طرق سے بیان کیا ہے کہ آپ بیان فرماتی ہیں کہ میرا نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا تھا۔ اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ ولی (باپ وغیرہ) کو اس قدر حق حاصل ہے کہ وہ بے شعور بچی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر بھی کرسکا ہے کیونکہ بے شعوری میں لڑکی سے اجازت لینا بے معنی ہے۔

پس صحیح بخاری کی طرح صحیح مسلم سے بھی ثابت ہو گیا کہ عورت کے نکاح میں ولی کا دخل واختیار ہے وہ نکاح کر بھی سکتا ہے اور روک بھی سکتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ صحاح ستہ وغیرہ کی احادیث صحیحہ صریحہ مرفوعہ سے ثابت ہو گیا کہ ولی کے بغیر نکاح میں ہوتا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ ولی مرد ہی ہو سکتا ہے عورت نہیں ہو سکتی۔ عورت نہ اپنا نکاح کر سکتی ہے نہ ہی دوسری عورت کا کرا سکتی ہے۔

آئندہ قسط میں صحابہ کرام کا مسلک بیان کیا جائے گا جو سب اس پر متفق ہیں کہ عورت کے لئے نکاح میں ولی ضروری ہے۔

توبہ و استغفار

حافظ سیف الرحمٰن (بی۔اے)

قسط نمبر ۲

استغفارِ داوٗد:

حضرت داوٗد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں۔ پھر کسی اور عورت سے ازدواجی رشتہ قائم کرنے کا خیال آیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ خیال اور ارادہ ناگوار گزرا۔ اس کا امتحان لینے اور اس غلطی کا احساس دلانے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے انسانی شکل و شباہت میں حضرت داوٗد علیہ السلام کے پاس بھیجے۔ انہوں نے اپنا کیس حضرت داوٗد علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔ ایک نے کہا:

"میرے پاس صرف ایک دنبی ہے اور ساتھی کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں۔

یہ میری ایک دنبی بھی میرے پاس نہیں رہنے دیتا بلکہ اس کا مطالبہ کرتا ہے کہ یہ مجھے دو۔"

حضرت داوٗد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"اس نے تجھ سے دنبی کا سوال کر کے بہت برا کیا ہے یہ تو ظالمانہ کام ہے۔"

پھر اپنا ولی ارادہ یاد آتا ہے اور سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے میری غلطی پر متنبہ کیا ہے چنانچہ حضرت داوٗد علیہ السلام بارگاہِ ایزدی میں سربسجود ہو کر اپنی غلطی کی معافی مانگتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی ہو جاتی ہے۔

استغفارِ سلیمان:

ایک دفعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس دریائی نسل کے عمدہ گھوڑے لائے گئے۔ آپ ان کی دیکھ بھال میں اس قدر مصروف رہے کہ نمازِ عصر پڑھنا بھول گئے۔ جب سورج غروب ہو گیا تو نماز یاد آئی۔ اب کیا تھا انہوں نے گھوڑوں کو جن کی دیکھ بھال میں نمازِ عصر یاد نہ رہی اور فوت ہو گئی، اپنے ہاتھوں سے ذبح کیا اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔

رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَهَبۡ لِیۡ مُلۡكًا لَّا یَنۡۢبَغِیۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِیۡ (سورہ ص)

"اے میرے پروردگار! مجھے معافی دیجئے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کیجئے جو میرے بعد کسی کو نصیب نہ ہو۔"

استغفارِ موسیٰ:

ایک قبطی اور ایک اسرائیلی کسی بات سے آپس میں جھگڑتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسرائیلی کی حمایت کرتے ہوئے قبطی کو ایک مکہ مارتے ہیں جس سے وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ فوراً اپنی کوتاہی اور غلطی کا احساس پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کرتے ہیں۔

رَبِّ اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ فَاغۡفِرۡ لِیۡ فَغَفَرَ لَهٗ (سورہ قصص)

"اے میرے پروردگار! (قبطی کا مار کر) میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ مجھے معافی دیجئے۔" اللہ تعالیٰ نے اسے معافی عنایت فرمائی۔

استغفارِ یونس:

حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں۔ آخر قوم کی سرکشی اور طغیانی کو دیکھ کر مایوس ہو جاتے ہیں اور اذنِ الٰہی کے بغیر شہر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور قوم کے لئے عذاب کی دعا کرتے ہیں۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم عذاب کی خبر سن کر خوفزدہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ تمام مل کر بارگاہِ الٰہی میں توبہ تائب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتے ہیں اور عذابِ الٰہی ان سے ٹل جاتا ہے۔

جیسا کہ فرمایا:

كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَى حِيْنٍ ۔ (یونس)

ادھر حضرت یونس علیہ السلام اپنی غلطی کی بدولت لقمۂ حوت بن جاتے ہیں اور اس کے پیٹ میں اللہ رب العزت کی بارگاہِ عالی میں ان کے ساتھ معافی مانگتے ہیں۔

لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ ۔ (سورہ انبیاء)

تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو پاک ہے۔ بیشک میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔

چالیس روز تک انہیں الفاظ سے اپنے مالک حقیقی سے معافی مانگتے رہے پھر کہیں جا کر انہیں معافی ہوئی۔

استغفارِ سید المرسلین:

آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی وہ ہستی ہے جس کے متعلق امت محمدیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ معصوم عن الخطاہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ کا ایک ایک لمحہ اطاعت اور عبادتِ الٰہی میں گزارا۔ گناہ کرنا تو کجا آپ ﷺ کے دل و دماغ میں گناہ کا کبھی تصور بھی پیدا نہیں ہوا۔ بایں ہمہ آنحضرت ﷺ کثرت سے استغفار کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

یاایہا الناس توبوا الی اللہ فانی اتوب الیہ فی الیوم مائۃ مرۃ (بخاری)

کہ لوگو! اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ میں ایک دن میں سو مرتبہ اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔

آپ ﷺ مندرجہ ذیل استغفار کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔

أَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِيْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ (ابوداؤد)

میں اللہ سے بخشش کی دعا کرتا ہوں، وہ اللہ جس کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہ اللہ جو ہمیشہ زندہ اور قائم ہے اور میں اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

غرضیکہ تمام انبیاء علیہم السلام حتیٰ کہ حضرت محمد ﷺ نے توبہ و استغفار کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنایا ہوا تھا اور ہر وقت ان کی زبانِ مبارک سے استغفار کے کلمات ہی سنائی دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ استغفار اللہ تعالیٰ کی رضا کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ انسان خواہ گناہوں میں ڈوبا ہوا ہو جب بارگاہِ ایزدی میں سر جھکا کر رب رب کے الفاظ سے اپنے خالقِ حقیقی سے معافی مانگتا ہے تو اس کی رحمت کا بحر بیکراں جوش میں آ کر اس کے گناہوں کے تمام خس و خاشاک کو بہا کر لے جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے بے حد خوش ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جو ایک بے آب و گیاہ چٹیل میدان میں اترتا ہے۔ اس کے پاس سواری ہوتی ہے جس پر اس کا خورد و نوش کا سامان بندھا ہوا ہوتا ہے۔ وہ وہاں چند منٹ ستانے کی غرض سے لیٹ جاتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب بیدار ہوتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی اونٹنی بمعہ سامان خورد و نوش غائب ہے۔ اس کی تلاش میں جنگل کا کونہ کونہ چھانتا ہے لیکن کہیں سے سراغ نہیں ملتا۔ حتیٰ کہ گرمی و تشنگی سے مغلوب ہو کر اسی جگہ پر واپس آ جاتا ہے جہاں پہلے لیٹا ہوا تھا۔ وہاں پر مرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے اور اپنا بازو سر کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتا ہے تاکہ وہ موت کے ذریعے اس مصیبت اور پریشانی سے نجات پائے۔ تھوڑی دیر کے بعد بیدار ہوتا ہے۔ کیا دیکھتا ہے اس کی اونٹنی بمعہ سامان خورد و نوش اس کے سر پر کھڑی ہے۔ یہ ماجرہ دیکھ کر خوشی سے پھولا نہیں سماتا۔ فرحت و انبساط کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ اس کے دماغی توازن درست نہیں رہتا۔ خوشی میں آ کر کہتا ہے۔

اللھم انت عبدی وانا ربّك (مسلم) یا الٰہی! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہے۔

وقتِ استغفار:

ویسے تو جس لمحہ اور جس ساعت انسان اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور پکارتا ہے تو وہ سنتا ہے اور مجیب الدعوات ہے۔ لیکن رات کا آخری ثلث اس کام کے لئے زیادہ مخصوص ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ۔ (آل عمران)

ایک او مقام پر فرمایا:

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ (الذاریات)

کہ اللہ کے بندے ہنگامِ سحر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام سے جب ان کی اولاد نے اپنی غلطی کی معافی چاہی تو جواب دیا کہ:

سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ (یوسف) میں جلد ہی اپنے پروردگار سے تمہاری معافی کی درخواست کرونگا۔

چنانچہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے اپنی اولاد کی کوتاہی کی معافی کی درخواست ہنگام سحر بارگاہِ ایزدی میں پیش کی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ رب العزت رات کو دنیا والے آسمان پر تشریف فرما ہوتے ہیں اور جب رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو آواز دیتے

ہیں۔

هل من سائل فاعطيته هل من داع فاستجب له هل من مستغفر فاغفر له(ابن کثیر)

ہے کوئی سوال کرنے والا! اسے میں دوں۔ ہے کوئی پکارنے والا۔ میں اس کی دعا منظور کروں۔ ہے کوئی معافی مانگنے والا۔ میں اسے معاف کروں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رات کو نماز پڑھتے۔ جب آرات کا آخری حصہ ہو تا تو دعا اور استغفار میں مشغول ہو جاتے۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ:

"ہمیں یہ حکم تھا کہ جب رات کو نماز پڑھیں تو صبح تک استغفار میں مشغول رہیں۔" (ابن کثیر)

فوائدِ استغفار

گناہوں سے معافی:

انسان کے گناہ خواہ ریت کے ذروں کے برابر ہوں یا بحر بیکراں کے قطرات سے زائد ہوں تو بھی استغفار سے سب محو ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:۔

يا ابن ادم ما دعوتني ورجوتني غفرت لك ما كان فيك ولا ابالي يا ابن ادم لو بلغت ذنوبك عنان السماء ثم استغفرتني غفرت لك ولا ابالي يا ابن ادم انك لو لقيتني بقراب الارض خطا يا ثم لقيتني لا تشرك بى شيئا لا تيتك بقرابها مغفرة (ترمذی)

اے ابن آدم! تو جب تک مجھ سے دعا کرے گا اور امید رکھے گا تیرے جو گناہ بھی ہوں گے معاف کر دونگا اور مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں۔ اے آدم کے بیٹے! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں تک پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے معافی مانگے تو بھی میں تجھے گناہوں سے معافی دونگا، اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اے ابن آدم! اگر تو زمین کے برابر گناہ لایا لیکن شرک نہ کیا تو میں اتنی ہی مغفرت اور بخشش لے کر تیرے پاس آؤں گا۔

صفائی قلب:

جس طرح لوہا پانی میں پڑا رہنے سے زنگ خوردہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسانی قلوب گناہوں کی نجاست سے آلودہ ہونے کے باعث زنگ خوردہ اور سیاہی آلود ہو جاتے ہیں۔ ایسے وقت استغفار کی ریتی ہی اس زنگ کو دور کر کے چمکا سکتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی ایک طویل حدیث ہے جس کے آخر میں یہ ذکر ہے:

فان تاب واستغفر صقل قلبه (ترمذی)

یعنی اگر انسان توبہ کرلے اور اپنے گناہوں سے معافی مانگے تو اس سے اس کا قلب چمک اُٹھتا ہے۔

موجبِ جنت:

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے استغفار کا ذِکر فرمایا اور اس کی فضیلت ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فمن قالها من النهار سوقنا بها فمات من يومه قبل ان يمسى فهو من اهل الجنة ومن قالها من الليل سوقنا بها فمات قبل ان يصبح فهو من اهل الجنة (بخارى)

جو آدمی یقین کے ساتھ دن کو سید الاستغفار پڑھتا ہے اور شام سے پہلے فوت ہو جاتا ہے تو وہ اہلِ جنت سے ہے اور جو رات کو یقین کے ساتھ پڑھتا ہے اور صبح سے پیشتر ہی وفات پا جاتا ہے تو وہ بھی اہلِ جنت سے ہے۔

پریشانی اور تنگیٔ رزق سے نجات:

آنحضرت ﷺ نے تنگ دستی اور ذہنی و قلبی پریشانی میں مبتلا اشخاص کو یہ مژدہ جاں فزا سنایا۔

من لزم الاستغفار جعل الله له من كل ضيق مخرجا ومن كل هم فرجا ورزقه الله من حيث لا يحتسب (احمد، ابوداؤد)

جو انسان استغفار کو ہمیشہ کے لئے اپنا وظیفہ بنالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر قسم کی تنگی اور پریشانی کو دور کرتا ہے اور اسے ایسے ذریعے سے رزق عطا کرتا ہے جس کا اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

میت کے لئے استغفار:

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

ان الله عزوجل ليرفع الدرجة للعبد الصالح فى الجنة فيقول يا رب انى لى هذا فيقول بأستغفار ولدك لك (احمد)

اللہ رب العزت اپنے نیک بندوں کا جنت میں مرتبہ بڑھائیں گے۔ انسان کہے گا کہ اے میرے پروردگار! یہ درجہ مجھے کیسے نصیب ہوا؟ اللہ تعالیٰ جواب فرمائیں گے کہ تیرا لڑکا تیرے لئے استغفار کرتا رہا ہے۔ اس لئے تجھے یہ بلند درجہ نصیب ہوا۔

مردوں کے لئے بہترین تحفہ:

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ:

"قبر میں میت کی مثال اس غرض ہونے والے کی ہے جو امداد کا طالب ہوتا ہے۔ جب اس کی بخشش کی دعا کی جاتی ہے اور اس کے لئے استغفار کی جاتی ہے وہ دنیا کی تمام اشیاء سے اسے محبوب ہوتی ہے۔"

پھر فرمایا:

"اللہ عالٰی اہل زمین کی دعا کی برکت سے اہلِ قبور پر پہاڑوں کی مانند رحمتیں نازل فرماتا ہے۔"

پھر آخر میں فرمایا:

ان ھدیۃ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم (بیہقی)

کہ جو لوگ بقیدِ حیات ہیں ان کا تحفہ مردوں کے لئے یہ ہے کہ ان کے حق میں بخشش کی دعا کریں۔

بارش، اولاد اور رزق کا باعث:

جب انسان گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو ذاتِ الٰہی اسے گوناگوں عذاب میں مبتلا کر کے انتقام لیتی ہے۔ کبھی بارش نہیں ہوتی اور قحط سالی کے آثار رونما ہو جاتے ہیں۔ کبھی ہری بھری کھیتیاں پانی کو ترستی ہوئی گل سڑ جاتی ہیں۔ کبھی اولاد جیسی نعمتِ عظمٰی کو انسان کی آنکھیں ترستی ہیں اور کبھی تنگئ رزق سے انسان اس قدر مغلوب ہو جاتا ہے کہ اس کے ایمان کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور اس کے پائے استقلال میں لغزش واقع ہو جاتی ہے۔ ان تمام امراض کا علاج اسی استغفار میں مضمر ہے۔ یہ ایک ایسا نسخہ ہے کہ اس کے استعمال سے بیسیوں اولاد کے طلب گاروں کو اولاد نصیب ہوئی، سینکڑوں رزق کے متلاشیوں کو رزق نصیب ہوا۔ اور ان گنت اور لاتعداد کھیتی اور پھلوں کی کمی کا شکوہ کرنے والوں کو وافر اناج اور فروٹ نصیب ہوا۔

حضرت حسن بصریؒ کے پاس ایک آدمی نے قحط سالی کی شکایت کی۔ آپ نے مندرجہ ذیل آیات تلاوت فرمائیں۔

اِسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ اِنَّه كَانَ غَفَّارًا ۔ يُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَيۡكُمۡ مِّدۡرَارًا ۔ وَّيُمۡدِدۡكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِيۡنَ وَيَجۡعَلۡ لَّكُمۡ جَنّٰتٍ وَّيَجۡعَلۡ لَّكُمۡ اَنۡهٰرًا ۔

اور کہا کثرت سے استغفار پڑھو۔

پھر ایک آدمی آتا ہے وہ اولاد سے محرومی کی شکایت کرتا ہے۔ آپ اس کے لئے بھی یہی نسخہ تجویز فرماتے ہیں۔ پھر ایک آدمی جو تنگ دستی اور غربت کا شکار ہوتا ہے۔ وہ کشائشِ رزق کی خاطر ایسے کوئی وظیفہ دریافت کرتا ہے۔ آپ اسے بھی نصیحت فرماتے ہیں کہ استغفار کو لازم پکڑو۔ پھر ایک آدمی کھیتی اور پھلوں کی کمی کی شکایت لے کر حاضر ہوتا ہے۔ آپ اس بھی استغفار کی تلقین کرتے ہیں۔ پھر آپ سے دریافت کیا گیا کہ مختلف شکایات لے کر لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن آپ نے تمام کے لئے ایک ہی نسخہ تجویز فرمایا۔ آپ نے جواب میں سورۂ نوح کی مندرجہ ذیل آیات تلاوت فرمائیں۔

اِسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ اِنَّه كَانَ غَفَّارًا ۔ يُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَيۡكُمۡ مِّدۡرَارًا ۔ وَّيُمۡدِدۡكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِيۡنَ وَيَجۡعَلۡ لَّكُمۡ جَنّٰتٍ وَّيَجۡعَلۡ لَّكُمۡ اَنۡهٰرًا ۔

اپنے پروردگار کی بارگاہ میں بخشش کی دعا کرو وہ اسے منظور فرمائے گا۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا وہ آسمان سے موسلادھار بارش برسائے گا۔ تمہیں

کثرت سے مال واولاد عطا کرے گا اور تمہارے باغات اور نہریں چلائے گا۔

امام بخاریؒ نے فضل استغفار پر باب باندھ کر قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیات پیش کرتے ہوئے مذکورہ فوائد ثابت کیے ہیں۔

استغفار کی فتحیابی اور ابلیس کی شکست:

شیطان انسان کا قدیمی دشمن ہے۔ انسان کو راہِ راست سے بہکانے کے لئے کبھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا اور ہر وقت موقعہ کا متلاشی رہتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ:

"ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قسم کھا کر کہا کہ میں تیرے بندوں کو اس وقت تک گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا جب تک ان کے جسم میں روح ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے جلال اور عزت کی قسم کھا کر فرمایا۔ لا ازال اغفر لهم ما يستغفرونی (احمد) جب تک وہ مجھ سے بخشش مانگتے رہیں گے میں انہیں بخشتا رہوں گا۔"

ہلاکتِ ابلیس:

ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

"لا الہ الا اللہ اور استغفار کا وظیفہ کثرت سے کرو، کیونکہ ابلیس کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو گناہ کے ذریعے ہلاک کر دیا ہے اور وہ مجھے لا الہ الا اللہ اور استغفار کے وظیفے سے ہلاک کرتے ہیں۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ میری ہلاکت کا سامان کر رہے ہیں تو میں نے انہیں خواہشات کے ذریعے ہلاک کر دیا اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم راہِ راست پر ہیں۔" (ابن کثیر)

استغفار ایک عظیم دوا ہے:

ایک موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

الا ادلكم على دائكم و دوائكم الا ان دائكم الذنوب وان وائكم الاستغفار

"کیا تمہیں تمہاری بیماری اور اس کے علاج کی خبر دوں؟ سنیئے! تمہاری بیماری گناہ ہیں اور تمہاری دوا استغفار ہے۔"

قاریِ استغفار کو خوشخبری:

عبداللہ بن بسر کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

طوبى لمن وجد فى صحيفته الاستغفار (ابن ماجہ)

اس آدمی کو خوشخبری ہے جس کے صحیفے میں استغفار ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ:

”جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ اپنا صحیفہ دیکھ کر خوش ہو تو فلیکثر من الاستغفار یعنی اسے چاہئے کہ استغفار کثرت سے پڑھے۔“

انتظارِ استغفار:

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ:

”جب کوئی مسلمان گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو فرشتہ (کاتب) تین ساعت تک اس کا انتظار کرتا ہے فان استغفر من ذنبه لم یکتبه علیه ولم یعذبه الله یوم القیامة اگر وہ اپنے گناہ کی معافی مانگ لے تو گناہ اس کے نامۂ اعمال میں درج نہیں ہو گا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اس سے کچھ مواخذہ کریں گے۔“

رفعِ عذاب:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر جب اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کے باعث پہاڑ بلند کیا اور گرانا چاہا تو وہ سجدہ میں گر گئے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے استغفار کی بدولت ان سے عذاب رفع کر دیا۔

اہل مکہ بار بار آنحضرت ﷺ سے عذابِ الٰہی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں:

وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۔

آپ کے وجودِ گرامی کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان مشرکینِ مکہ پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا۔ اگر استغفار کو لازم کریں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہیں کرے گا۔

حضرت یونس کی قوم ان کی پیروی سے انحراف کرتی ہے۔ سرکشی اور بغاوت میں حد سے تجاوز کرتی ہے۔ حضرت یونس اپنی قوم سے ناراض اور خشمگیں ہو کر شہر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اور ان کے لئے عذابِ الٰہی کی بد دعا کرتے ہیں۔ جب قومِ یونس کو پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کی دعائیں بارگاہِ ایزدی میں فوراً مستجاب ہوتی ہیں اور یقین ہوتا ہے کہ ہم پر عذاب واقع ہونے والا ہے تو تمام شیر خوار بچے اور معمر، ذکر روانات، امیر و غریب سبھی اپنے پروردگار کے آستانہ کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں اور رو رو کر اپنے جرائم کی معافی مانگتے ہیں اور آئندہ کے لئے تائب ہو جاتے ہیں تو ان سے عذابِ الٰہی ٹل جاتا ہے جیسے کہ سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ نے ذِکر فرمایا ہے۔

كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلٰى حِيْنٍ ۔

یعنی ہم نے دنیا کی زندگی میں ان سے عذاب دور کر دیا اور انہیں ایک مدت تک فائدہ اُٹھانے کی اجازت دی۔

بہترین استغفار:

کتب حدیث میں متعدد استغفار کا ذِکر آیا ہے۔ سب سے بہترین استغفار یہ ہے۔

اللهم انت ربي لا اله الا انت خلقتني وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت اعوذبك ومن شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك عليّ وابوء بذنبي فاغفر لي فانه لا يغفر الذنوب الا انت (بخاری)

اس کا نام سید الاستغفار ہے۔ اس کے پڑھنے والے کو آنحضرت ﷺ نے جنت کی خوشخبری دی ہے۔

ایک آدمی گناہوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسے آنحضرت ﷺ نے مندرجہ ذیل استغفار سکھلایا۔

اللهم مغفرتك اوسع من ذنوبي ورحمتك ارجى عندي من عملي

اسے آپ نے دو تین مرتبہ پڑھایا اور فرمایا جاؤ۔ قد غفر الله لك۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں معافی دے دی ہے۔ (حاکم)

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو بیش از بیش استغفار پڑھنے اور ہر قسم کے فسق و فجور سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

گلہائے نعت

راسخ عرفانی

تکوین کائنات کا عنوان کہیں انہیںؐ	معراجِ حسنِ محفلِ امکاں کہیں اُنہیںؐ!
نوعِ بشر ہے جن کے تعلق سے سربلند	برحق ہے یہ کہ عظمتِ انسان کہیں انہیںؐ!
کرتے ہیں فخر جن کی غلامی پہ تاجدار	حیران ہیں کس زبان سے سلطان کہیں انہیںؐ!
جن کا وجود زینتِ گلزارِ حسن ہے	تزینِ خلاو جانِ بہاراں کہیں انہیںؐ!
کمتر ہے یہ مثال بھی، لیکن نہ جانے کیوں	جی چاہتا ہے مہر درخشاں کہیں انہیںؐ!
بندے ہوئے ہیں جنکی ہدایت سے خودشناس	رمز آشنائے خلوتِ عرفاں کہیں انہیںؐ!
وہ بھی بشر ضرور ہیں، لیکن مثالِ سنگ	ہم کوئلہ ہیں، لعلِ بدخشاں کہیں اُنہیںؐ!
راسخ ہے فرض جن کی زمانے پہ اقتداء	
کیونکر نہ روحِ حاصلِ ایماں کہیں انہیںؐ	

نیا سامراج

آباد شاہ پوری　　　　　قسط نمبر ۲

سوشلزم۔ نظریہ اور تحریک:

صنعتی انقلاب سے یورپ کا اقتصادی نظام جو زرعی بنیادوں پر قائم تھا، تلپٹ ہو گیا تھا۔ عقلیت پرستی اور لبرلزم کی تحریک نے یورپ کے عیسائی معاشرے کی مذہبی و اخلاقی بنیادوں کو متزلزل کر ڈالا۔ انقلاب فرانس نے اس کے سیاسی نظام کو ہلا کر رکھ دیا۔ نظام جاگیرداری پر استوار مطلق العنان بادشاہتیں ہر جگہ ڈولنے لگیں، صنعتی انقلاب اپنے جلو میں گوناگوں خرابیاں لے کر آیا۔ بے روزگاری، انسانی محنت کا استحصال، افلاس کی افزونی اور سرمایہ داری کا فروغ و عروج اس کے تلخ ترین ثمرات تھے۔ یورپ کو زندگی کے ایک نئے نظام کی ضرورت تھی۔ وہ نظام جو اس کی معاشرتی و سیاسی زندگی میں پیدا ہونے والے خلاء کو پُر اور صنعتی انقلاب کے مفاسد کا قلع قمع کر سکتا ہے۔ یہودی مفکرین نے جس مقصد کے لئے یورپ کی اجتماعی بنیادوں میں جو بارود بچھایا تھا۔ اب اس کی تکمیل کا وقت آ گیا تھا۔ چنانچہ وہ اس خلاء کو بھرنے اور یورپ کے عیسائی معاشرے کو اپنی گرفت میں لینے کے لئے آگے بڑھے۔ سوشلزم کا نظریہ انہی کے سازشی ذہن کی تخلیق تھا۔ یہ محض ایک اقتصادی نظام نہ تھا، بلکہ زندگی کا مکمل فلسفہ تھا۔ جس کی بنیاد خدا کے کلیۃً انکار، مذہب دشمنی، اخلاقی اقتدار کی تباہی اور مادہ پرستی پر قائم تھی۔ متوسط طبقہ جو اس نظام کی اصطلاح میں "بورژوا کہلاتا ہے، اس کا یہ جانی دشمن اور اس کے قلع قمع کو اپنی بقاو استحکام کے لئے ناگزیر سمجھتا تھا۔

دراصل متوسط طبقہ کسی قوم کی ریڑھ کی ہڈی بھی ہوتا ہے اور دل و دماغ بھی یہی طبقہ اسے زندگی کے ہر میدان میں قیادت فراہم کرتا ہے۔ متوسط طبقہ جس قدر قوی اور باشعور افراد پر مشتمل ہو گا۔ قوم اتنی ہی طاقتور اور غیور و جسور ہو گی۔ یہودی اس طبقے کو فنا کے گھاٹ اس لئے اتار دینا چاہتے تھے کہ غیر یہودی قومیں ذہین و باشعور اور غیور و جسور قیادت سے محروم ہو جائیں۔ اسی ایک طریقے سے یہ قومیں ان کے عزائم کا نرم چارہ بن سکتی تھیں۔ اس نظام میں پرولتاریوں کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ اس کے نزدیک انسانی سوسائٹی کے ارتقاء کی بنیاد یہی طبقہ تھا۔ یہودی ذہن کے تراشے ہوئے اس نظام میں پرولتاریوں کو اہمیت اس لئے دی گئی کہ انہوں خوش آئند اور پر فریب نعروں کے ذریعے بآسانی اپنے دامِ خدع و تزویر میں گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ پھر جس (یورپ کے عیسائی) معاشرے میں سوشلزم کا نظریہ ابتداء پیش کیا گیا۔ اس میں پرولتاری طبقے کی بھاری اکثریت یہودیوں ہی پر مشتمل تھی۔ یورپ میں یہودیوں پر اعلیٰ و ادنیٰ سرکاری ملازمتوں اور تجارت کے دروازے صدیوں سے بند چلے آ رہے تھے اس لئے ان کی اکثریت یا تو دستکار اور کاریگر تھی یا مزدور اور محنت پیشہ، صنعتی انقلاب آیا تو یہودی کاریگر اور دستکار کارخانوں اور فیکٹریوں میں نوکر ہو گئے، اس طرح پرولتاری طبقہ وجود میں آ گیا۔

بالفاظِ دیگر یورپ میں پرولتاری طبقے کی حکومت کا مطلب تھا۔ یہودیوں کی حکومت، چنانچہ سوشلسٹ تحریکوں میں یہی یہودی پرولتاری طبقہ پیش پیش رہا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار Jews کے زیرِ عنوان، یہودی لکھ پتیوں اور (انقلابِ فرانس کے بعد) امریکہ و یورپ میں کارخانوں اور

سرکاری محکموں پر قابض ہونے والے یہودی متمول طبقے کی پیدائش کا ذِکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"غالباً یہی نظام تھا جس نے یہودیوں پرولتاری طبقے کو جنم دیا۔ مسلمان ممالک مشرقی یورپ کے علاقوں اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں یہودیوں کی بڑی تعداد اہل حرفہ اور کاریگروں کی تھی۔ سوشلزم کی تعلیمات کے ذریعے ان یورپی اور امریکی کاریگروں نے طبقاتی شعور سے بہرہ مند گروہ کی صورت اختیار کرلی، پرولتاری، دوستانہ جماعتوں اور یدش بولنے والی خصوصی ٹریڈ یونینوں کی شکل میں متحد ہوگئے تقریباً ان تمام ملکوں میں جہاں یہودی آباد ہوئے، یہودی افراد سوشلسٹ اور ٹریڈ یونین تحریکوں میں سرگرمِ عمل نظر آتے ہیں۔"

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، سوشلزم کا نظریہ یہودیوں کے سازشی ذہن کی تخلیق تھا۔ اسی طرح اس نظریے کی مختلف ارتقائی صورتوں میں بھی انہی کا ذہن کارفرما تھا۔ کارل مارکس (۱۸۱۸ء، ۱۸۸۳ء) پہلا شخص تھا جس نے سوشلزم کو علمی (Scientific) بنیادی فراہم کیں، اسے نظامِ زندگی کی صورت دی اور سوشلسٹ تحریک کا باضابطہ آغاز کیا۔ یہ شخص Tier کے ایک یہودی کے حاخام (مذہبی رہنما) کا پوتا تھا، مارکس چ برس کا تھا جب اس کے باپ نے (جو خود بھی حاخام تھا) بقول رسل ریاکاری سے عیسائیت قبول کرلی (اس کی ماں آخر دم تک یہودی ہی رہی) کارل مارکس کا دستِ راست فرڈی نند لازیل (Ferdinend Lassale) تھا۔ اس نے پہلی انٹرنیشنل (First International) میں بااہم کردار ادا کیا تھا۔ لازیل نسلاً ہی نہیں مذہباً بھی یہودی تھا۔

سوشلزم نظریاتی اعتبار ہی سے نہیں عملاً بھی اک یہودی تحریک تھی، روس یورپ اور امریکہ میں ہر جگہ سوشلسٹ تحریک کے صفِ اوّل کے رہنما یہودی تھے۔ روس میں سوشل انقلابیوں (Social Revolutionaries) کا رہنما الیگزنڈر کرنسکی جو زار شاہی کا تختہ کے بعد عبوری حکومت میں وزیر اعظم بنا، پیدائشی اعتبار سے یہودی تھا۔ سوشل ڈیموکریٹک پارٹی جو آگے چل کر کمیونسٹ پارٹی کہلائی، کا بانی پلیخانوف بھی یہودی تھا۔ موجودہ سوشلسٹ روس کا بانی لینن ایک یہودی النسل جرمن ڈاکٹر الیگزنڈر بلانک کا نواسہ تھا۔ مارٹوف ایک مدت تک لینن کے ساتھ کام کرتا رہا اور جب لینن کی سازشوں سے سوشل ڈیموکریٹک پارٹی میں پھوٹ پڑی تو منشویک (اقلیتی گروپ) کا سربراہ بنا۔ یہ شخص بھی یہودی تھا۔ ٹراٹسکی جس نے سرخ فوج منظم کی اور کرنسکی کی عبوری حکومت کا تختہ اُلٹا اور جسے لینن اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا، یہودی تھا۔ روس کی سوشلسٹ سوویت یونین کا پہلا چیئرمین جیکب سوردولوف بھی تھا۔ لینن کے قریب ترین ساتھی زنوویف کامیف اور کارل رڈک بھی یہودی تھے۔

انقلابِ روس:

روس میں انقلابی افکار کیتھرائن (۱۷۶۲-۱۷۹۶ء) کے عہد میں نفوذ پانے لگے تھے، اسی کے زمانے میں انقلاب فرانس کا دھماکا ہوا جس نے یورپ کے سیاسی نظام کی بنیادیں ہلا ڈالیں، انیسویں صدی کی پہلی ربع صدی میں آزادیٔ افکار کی رَو اور تیز ہوگئی۔ روسی زاروں نے اس کے آگے بند باندھنے کی کوشش کی۔ ماحول کے خلاف آواز بلند کرنے والے اہل قلم کو قید وبند اور جلاوطنی کی سزائیں دی گئیں۔ کتابیں ضبط کرلی گئیں، لیکن افکار اس قسم کی بندشوں سے کب رکنے پائے ہیں؟ نپولین سے جنگوں کے زمانے میں روسی افسروں کو فرانس دیکھنے کا موقع ملا۔ وہاں سے لوٹے تو انقلابی افکار

کی اُمڈتی ہوئی رو سے متاثر ہو چکے تھے۔ نکولاس اوّل (۱۸۲۵۔۱۸۵۵ء) کے عہد حکومت کے پہلے سال فوج میں بغاوت اُٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ پہلی فوجی بغاوت تھی جس کے پیچھے کوئی واضح اور متعین مقصد، بیگار کا خاتمہ اور جمہوریہ کا قیام، کار فرما تھا۔ بغاوت تو کچل دی گئی اور فوجی افسروں اور سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد کو عبرت ناک سزائیں دی گئیں لیکن روسی افواج کے اندر بے اطمینانی اور جوش وجذبہ کی چنگاری ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئی۔

انقلابی افکار سے پہلے پہل طبقۂ امرا سے تعلق رکھنے والے عیسائی نوجوان متاثر ہوئے تھے۔ خاصی مدت تک یہی لوگ فکر و عمل کے میدان میں پیش پیش رہے۔ رفتہ رفتہ یہ رہنمائی یہودیوں اور یہودی نژاد عیسائیوں نے اپنے ہاتھ میں لے لی اور عیسائی مفکرین اور انقلابی لیڈر دوسری صف میں چلے گئے۔ الیگزنڈر دوم (۱۸۵۵۔۱۸۸۱ء) نے ملک میں اصلاحات جاری کیں زرعی اراضی پر کام کرنے والے "کمیروں" (Serfs) کو ملکیتِ زمین کا حق دیا۔ یہ لوگ غلاموں کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کو آزاد کر دیا گیا۔ اسی طرح تعلیم، اقتصادیات، انتظامیہ اور عدالت کے شعبں میں بھی اصلاحات کیں، روسی تاریخ کے نقطۂ نظر سے غالباً اہم ترین فیصلہ یہ تھا کہ یہودی دستکاروں کالج کے گریجویٹیوں اور مالدار تاجروں کو خالص روس میں رہنے کی اجازت دے دی۔ اب تک یہ لوگ روس کے مقبوضہ علاقوں میں رہتے تھے۔ روسی پولینڈ میں انکی بہت بڑی آبادی تھی۔ اِس آبادی کو ایک خاص علاقے میں یکجا کر دیا گیا تھا۔ جو تاریخ میں Pale of Settlement کہلاتا ہے۔ یہاں کے یہودی مغربی اور وسطی یورپ میں یہودیوں کی قیادت میں اُٹھنے والی فکری تحریکوں سے متاثر تھے۔ یہ لوگ جب اس اجازت کے تحت روس کے پایہ تخت اور دوسرے بڑے بڑے صنعتی شہروں میں پہنچے تو ان افکار کو اپنے ساتھ لے کر گئے اور ہر جگہ سیاسی و فکری قیادت پر قبضہ کر لیا کارخانوں، فیکٹریوں اور یونیورسٹیوں میں خفیہ حلقے اور سیل قائم ہو گئے۔ خفیہ جماعتوں نے مار دھاڑ قتل و غارت اور دہشت پسندی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ الیگزنڈر دوم انہی یہودی دہشت پسندوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ الیگزنڈر سوم (۱۸۸۱۔۱۸۹۴ء) کے عہد میں باقاعدہ جماعتیں وجود میں آئیں جن میں نمایاں اور موثر جماعتیں حسب ذیل تھیں۔

۱:۔ سوشل انقلابی (Social Revolutionary)

۲:۔ دستوری جمہوریت پسند (Constitutional Democrats) جو بالعموم کیڈٹ (Catets) کہلاتی ہے۔

۳:۔ سوشل ڈیموکریٹک پارٹی (Social Democratic Party)

اول الذکر دونوں جماعتیں بھی ترقی پسند تھیں؛ سوشل انقلابی تو سوشلسٹ نظریات کی علمبردار تھی؛ تاہم دونوں پر امن پروپیگنڈے اور قانونی ذرائع سے کام لینے کی قائل تیں، مؤخر الذکر مارکسٹ تھی۔ پہلے پہل یہ جماعت روس سے باہر ۱۸۸۳ء میں ایک گروپ کی صورت میں قائم ہوئی۔ پلیخانوف اس گروپ کا لیڈر تھا۔ ۱۸۹۸ء میں اس نے روس کے اندر باضابطہ طور پر پارٹی کی بنیاد رکھی۔ سیاسی پارٹیوں کے قیام سے روس میں سیاسی تبدیلیوں کی تحریک اور تیز ہو گئی۔

الیگزنڈر سوم نے باپ کے قتل کے بعد زمامِ حکومت سنبھالتے ہی سیاسی اصلاحات اور دستوری زندگی کو ختم کر دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاوا اندر ہی اندر پکنے لگا۔ یہ جوالا مکھی ۱۹۰۵ء میں پہلی مرتبہ پھٹا۔ اگرچہ نکولس سوم (۱۸۹۴ء۔۱۹۱۷ء) نے فوج اور پولیس کی مدد سے اس جوالا مکھی کو پھیلنے اور بے قابو ہونے سے روک لیا، مگر اس سے ملک کی حقیقی صورتِ حال کھل کر سامنے آگئی۔ بے چینی اور اضطراب نیچے سے اوپر تک پھیل چکا تھا۔ فوج پر

اب زیادہ مت تک اعتماد و انحصار نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اس بغاوت میں بری اور بحری افواج کے بعض دستوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ انقلابی قوتوں کی اِس کوشش ناکام نے انقلاب کی رفتار تیز تر کر دی؛ چنانچہ بارہ سال کے بعد روسی قیصریت کا عظیم الشان قصر جو بظاہر بڑا ہی مستحکم دکھائی دیتا تھا۔ مگر در حقیقت جور و استبداد، مطلق العنانی اور سازشوں اور بدعنوانیوں کی وجہ سے کھوکھلا ہو چکا تھا، زمین بوس ہو کر رہ گیا۔ انقلاب کے بعد پہلے شہزادہ لووف کی قیادت میں عبوری حکومت قائم ہوئی۔ بعد ازاں لوف نے استعفیٰ دے دیا اور کرنسکی وزیر اعظم بنا، مگر جلد ہی سائنٹیفک سوشلزم (کمیونزم) کے علمبرداروں (بالشویکیوں) نے لینن کی رہنمائی میں ہڑتالوں اور ہنگاموں مظاہروں اور منظم بلووں کے ذریعے کرنسکی حکومت کو معطل کر کے رکھ دیا اور پھر اکتوبر ۱۹۱۷ء میں زمامِ اقتدار پر قبضہ کر لیا۔

امام محمد نصر مروزیؒ

انکارِ حدیث کے ردّ میں امام کی خدمات

مولانا عبد السلام کیلانی مدنیؔ

امام لقب، شیخ الاسلام خطاب، ابو عبد اللہ کنیت ہے۔ ان کا نام نامی محمد اور والد کا نام نصر ہے۔ خراسان کے ایک قدیم اور بین الاقوامی شہرت یافتہ علمی مرکز "مرو" کی طرف نسبت کی وجہ سے مروزی کہلاتے تھے۔ ان کی پیدائش ۲۰۲ھ میں بغداد شہر میں ہوئی جب کہ وہ علم وسیاست کا گہوارہ بن چکا تھا۔ ابتدائی تعلیم اور نشو ونما نیشاپور کے حصہ میں آئی۔ پھر علم کی پیاس بجھانے کے لئے دنیا کا کونا کونا چھان مارا۔ بالآخر سمر قند میں رہائش پذیر ہوئے۔

اساتذہ:

جس شخص کو اللہ تعالیٰ قابلیت، جذبہ شوق، محنت اور محبت علم کے علاوہ چوٹی کے اساتذہ کی صحبت سے استفادہ کرنے کا مقع بھی بہم پہنچادے۔ اس کی خوش قسمتی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے یہی حال امام موصوف کا تھا۔ چنانچہ وہ مشہور علمائے کرام جن سے انہوں نے براہِ راست استفادہ کیا، ان میں سے اکثر وبیشتر امام بخاری اور امام مسلم کے اساتذہ تھے۔ ذیل میں ایسے چند ایک اساتذہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ عبد اللہ بن عثمان مروزی	۲۔ امام احمد بن حنبلؒ کے ہم سبق امام اسحاق بن راہویہ
۳۔ عبید اللہ بن سعید ابو قدامہ سرخسی	۴۔ محمد بن بشار بندار
۵۔ ابو موسیٰ محمد بن موسیٰ الزمن	۶۔ عبید اللہ بن معاذ عبری
۷۔ ہدبہ بن خالد	۸۔ ابراہیم بن فندر حزامی
۹۔ صدقہ بن فضل مروزی	۱۰۔ محمد بن عبد الملک بن ابی الشعارب
۱۱۔ ابو کامل جحدری فضیل بن حسین	۱۲۔ یحییٰ بن زکریا بن یحییٰ ینشا پوری آکر الذکر امام نسائی کے استاذ ہیں۔

رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

تلامذہ:

جس طرح کسی شخص کی قابلیت اور فضیلت کا سہرا اس کے اساتذہ کے سر ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی شہرت کا دارومدار اس کے تلامذہ پر ہوتا ہے۔ چنانچہ امام موصوف کے فیضان تلمذ سے سرخرد ہونے والے چند مشہور اور جید علماء یہ ہیں:

۱۔ ان کے صاحبزادے اسمٰعیل۔ ۲۔ ابو علی عبداللہ بن محمد بن علی بلخی۔

۳۔ محمد ن اسحاق رشادی سمرقندی۔ ۴۔ عثمان بن جعفر لبّان۔

۵۔ محمد بن یعقوب بن احزم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ۔

امام کا علمی مقام:

محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم کا یہ کہنا ہے کہ "یہ شخص علاقہ بھر میں امام مانا جاتا ہے۔ چہ جائیکہ خراسان ہو۔"

اسمٰعیل بن قیتبہ کہتے ہیں "جب کوئی شخص محمد بن یحییٰ سے کوئی فتویٰ لینے آتا وبسا اوقات وہ اسے امام مروزی کے پاس بھیج دیتے۔" انہوں نے بڑے بڑے جلیل القدر اور عظیم الشان علماء سے اپنا علم کا لوہا منوایا ہے۔ چنانچہ اکثر مورخین نے یہ صراحت کی ہے کہ "یہ شخص علم حدیث میں سمندر تھا تو فقہ میں لاثانی تھا۔ صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد جتنے علماء ان کے زمانے تک ہو گزرے تھے ان سب کے اختلافات اور احکام شریعت کو ان سے بڑھ کر جاننے والا کوئی نہ تھا۔

ابو بکر صیرفی جیسے فقیہ اور اصولی کا کہنا ہے کہ اگر امام مروزی کی صرف ایک تصنیف "قسامت" ہی ہوتی تو یہی کتاب ان کے علمی تفوق کو ثابت کرنے کے لئے کافی تھی، چہ جائیکہ ان کی دوسری تصنیفات ہوں جنہوں نے ان کے علم وفقاہت کا سکہ بٹھایا ہے۔

مشہور عیسائی مورخ فردینان توتل نے ان کے حالات زندگی میں ان کے علمی مقام کو تسلیم کرنے کے بعد ان کی تصیفات میں "الفرائض" کا ذِکر کیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے۔

وَهُوَ اَحسَنُ ما كُتِبَ فِي هٰذَا الْبَاب

یہ کتاب اپنے موضوع میں اپنی مثال آپ ہے۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ سب سے زبردست عالم وہ ہے جسے "ذخیرہ احادیث سب سے زیادہ میسر ہو، وہ احادیث اس اچھی طرح یاد ہوں اور ان کے معانی پر سب سے زیادہ حاوی ہو۔ نیز وہ علمائے امت کے اجماع یا اختلاف (یعنی کس مسئلہ میں سب علماء کی رائے ایک ہی ہے اور کس مسئلہ میں ان کے نقطۂ نظر میں اختلاف رونما ہوا ہے؟) کو سب سے بڑھ کر جانتا ہو۔" اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ تمام صفات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد امام محمد بن نصر مروزی کے سوا کسی اور شخص میں بدرجہ اتم موجود نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ رسول خدا ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کوئی ایسی حدیث نہیں جو محمد بن نصر مروزی کے علم میں نہ ہو تو یہ چیز حقیقت سے بعید نہیں۔

سیرت:

ابو بکر احمد بن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ میں نے دو اماموں کا زمانہ پایا لیکن ان سے علمی استفادے کا موقع نہیں ملا۔ ان میں سے ایک ابو حاتم محمد ﷺ بن ادریس رازی تھے اور دوسرے ابو عبد اللہ محمد ﷺ بن نصر مروزی تھے۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو عبد اللہ محمد ﷺ بن نصر

مروزی کی نماز جیسی نماز کسی نہیں دیکھی ان کے متعلق سنا ہے کہ ایک دفعہ دوران نماز ایک بھڑ ان کی پیشانی پر بیٹھ گئی جس کاٹنے سے خون نکل کر چہرے پہ بہہ گیا۔ لیکن امام نے نماز میں حرکت تک نہ کی۔

اگر پونجی تھوڑی ہوتی تو اسی سے گزارہ کر لیتے اور اگر زیادہ ہوتی تو دیگر اخراجات اور علمی ضروریات میں خرچ کر دیتے یعنی دولت جمع کرنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ محمد بن عبد الوہاب ثقفی کا کہنا ہے کہ خراسان کا گورنر اسمٰعیل بن احمد، اس کا بھائی اسحاق بن احمد اور اہالیان سمرقند انہیں سالانہ چار چار ہزار درہم ذاتی ضروریات پر خرچ کرنے کے لئے دیتے، یعنی بارہ ہزار درہم سالانہ بطور نذرانہ ملتے اور بال بچے بھی زیادہ نہ تھے۔ لیکن پھر بھی یہ تمام رقم سال بھر میں ختم کر ڈالتے۔

ایک روز میں نے عرض کی، حضرت! یہ لوگ جو آپ کو آج اتنی رقم دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے، کل ان کا طرزِ عمل بدل جائے۔ بہتر ہو تا کہ آپ آڑ وقت کے لئے کچھ جمع کر لیتے۔ کہنے لگے: ''واہ! سبحان اللہ'' میں اتنی دیر مصر رہا اور وہاں میری خوراک، کاغذ سیاہی اور دیگر تمام اخراجات پر صرف بیس درہم سالانہ خرچ ہوتے تھے۔ اور کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اتنی آمدنی بھی باقی نہ رہے گی۔''

وفات:

آپ نے محرم ۲۹۴ھ میں ۹۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ان کے بعد کوئی شخص ان کا ہم پلہ نہ رہا تھا۔

امام موصوف اور فتنہ انکار حدیث:

فتنہ انکارِ حدیث اس وقت زور پکڑتا ہے جب حکومت کا ذہن خالص اسلامی نہ ہو اور وہ زمانے کے رخ کو دیکھ کر اپنے طرزِ عمل کو تبدیل کرنے کی خواہاں ہو، حکومت کے بہی خواہ اور موقعہ پرست حکومت کے رجحان کو دیکھ کر قرآنی تأویلات اور ذہنی تفاسیر تیار کرنے میں مستعد ہو جاتے ہیں۔ تاکہ غلط عقائد اور غیر اسلامی عادات واطوار کو اسلام کا لباس پہنایا جا سکے۔ اس سلسلہ میں ذخیرہ احادیث بہت بڑی رکاوٹ ہوتا ہے، کیونکہ نبی کی زبان سے ہی قرآن مجید کی آیات کی صحیح تفسیر اور اس کے نازل کرنے والے کی حقیقی ترجمانی ہو سکتی ہے جب اہل ہویٰ احادیث کا جواب نہیں پاتے، تو اپنی آراء سے متصادم احادیث کا انکار شروع کر دیتے ہیں۔

امام کے زمانے میں بھی کئی ایسے لوگ پیدا ہو چکے تھے جو فلسفہ یونان سے متاثر ہو کر یونانی عقائد وتوہمات اور فلسفانہ موشگافیوں کو عقل سلیم کا نام دے کر ان پر اسلام کا لیبل لگانا چاہتے تھے، چونکہ حدیث مصطفےٰ ﷺ اس راہ میں بہت بڑی رکاوٹ تھی اس لئے انہوں نے بعض احادیث کا انکار کر دیا۔

امام کا موقف:

علمائے حق ہمیشہ ایسے لوگوں کے خلاف علم جہاد بلند رکھتے ہیں۔ امام موصوف نے بھی اس سلسلہ میں اپنے فرض کو پہچانا اور حجیت حدیث کے موضوع پر ایک اہم کتاب ''السنۃ'' لکھی، اِس کتاب میں امام نے ٹھوس دلائل سے منکرین حدیث پر علمی تنقید فرمائی ہے۔ اِس کتاب کے ایک اہم باب

کا ترجمہ ہدیہ قارئین ہے۔ جس کا عنوان ہے۔ ''ان سنتوں (احادیث) کا بیان جو قرآن مجید کے ان مجمل مقامات کی تفسیر ہیں جنہیں حل کرنا حضور نبی اکرم ﷺ کے ذمہ تھا۔ کیونکہ اگر اس تفسیر کو چھوڑ دیں اور صرف الفاظ قرآنی کو سامنے رکھیں تو ان کے معانی و مطالب حل نہ ہوتے تھے۔'' حجت قطعی سے اس باب میں جس چیز کو واضح طور پر امام نے پیش کیا ہے اور جن منکرین کا رد کیا ہے وہ یہ ہے کہ یا تو ذخیرۂ احادیث کو بالکل ہی ٹھکرا دیا جائے۔ اس صورت میں اسلام کے بنیادی ارکان پر بھی عمل ممکن نہیں۔ کیونکہ ان کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کی اصلی مراد سمجھ نہیں آتی اور یا پھر کلیۃً اس قبول کر لیا جائے، بشرطیکہ وہ صحت و ضعف کے معیاری اور معروف اصولوں پر پوری اتر آئے۔ یہی صحیح ہے اور اس صورت میں وہ نظریات جن کو قرآنی ظاہر کرنے کے لئے آیات کی غلط تاویل کی جاتی تھی۔ احادیث نبویہ سے ان کا بطلان ثابت ہو جائے گا۔

اسلامی اقدار سے معاشرہ کی روگردانی دیکھتے ہوئے آج بھی کچھ لوگ مشرق و مغرب کے نظام ہائے زندگی پر اسلام کا لیبل لگا کر قرآن حکیم اور حدیث رسول ﷺ کے مابین نزاع اور معنوی رقابت پیدا کرنے کے درپے ہیں اور یا تو سنت (احادیث) کا قرآن مجید سے اختلاف ظاہر کر کے لوگوں کی توجہ پیغمبر خدا ﷺ کی تفسیر سے ہٹا کر اپنی تاویلوں کی طرف لگانا چاہتے ہیں یا سرے سے ہی ذخیرہ احادیث کو مشکوک اور عجمی سازشیں قرار دے کر نئی پود اور خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ کو اس سے برگشتہ کر رہے ہیں۔

امام موصوف نے متجددین کے اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے پرزور دلائل سے جس طرح اس مسئلہ پر اپنی مذکورہ بالا تصنیف میں بحث کی ہے وہ ایک شاہکار ہے، یہ کتاب ''السنۃ'' پہلی دفعہ سعودی حکومت نے زیور طبع سے آراستہ کی ہے اور علماء اور شائقین علم میں مفت تقسیم کی ہے (ترجمہ قریبی اشاعتوں میں قسط وار شائع کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ) (ادارہ)

مفید الاحناف

ایک صورتِ ایتلاف

حضرت مولانا محمد عبد الغفور رمضان پوری بہاریؒ ترجمہ با محاورہ از پروفیسر حافظ ثناء اللہ خاں

قسط نمبر ۳

سوال:

ایک مثل ہونے سے وقتِ ظہر گزر کر وقتِ نماز عصر ہو جاتا ہے یا نہ؟

جواب:

صاحبین کے نزدیک ہو جاتا ہے اور یہی مفتی بہ ہے۔ نفع المفتی والسائل میں مولانا محمد عبد الحیؒ تحریر فرماتے ہیں:

وعنده اذا صار ظل كل شى مثليه خرج وقت الظهر ودخل وقت العصر وعندهما اذا صار ظل كل شى مثله كذا فى جامع المضمرات وفى الحمادية عن الظهيرية والفتوى على قولهما وعن التاسيس وعندنا كما قالا وعن الاسرار وقولهما مقتدى آه وفى الدر المختار روى عنه مثله وهو قولهما وقول زفر والأمة الثلثة قال الامام الطحاوى وبه ناخذ وفى غرر الاذكار وهو الماخوذ به وفى البرهان وهو الاظهر لبيان جبرئيل وهو نص فى الباب وفى الفيض وعليه عمل الناس اليوم وبه يفتى آه وفى خزانة الروايات عن ملتقى البحار ان ابا حنيفة قد رجع فى خروج وقت الظهر ودخول وقت العصر الى قولهما آه قلت والواقف الماهر على ادلة الفريقين يعلم قطعاً كون قولهما قويا وكون قوله ضعيفا فلا عبرة لفتوىٰ من افتى به اه

ترجمہ: امام صاحب کے نزدیک جب کسی چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے مگر صاحبین کے ہاں جب ہر شے کا سایہ اس کے برابر ہو جائے اسی طرح جامع المضمرات اور فتاویٰ حمادیہ میں ظہیریہ سے منقول ہے ار فتوے صاحبین کے قول پر ہے۔ تاسیس اور اسرار سے منقول ہے کہ ہمارے نزدیک بھی صاحبین کے قول کی اقتداء کی گئی، اور در مختار میں ہے کہ امام صاحب سے بھی، صاحبین کے قول یعنی ایک مثل پر عصر ہونا، مروی ہے اور یہ قول صاحبین، زفر اور ائمہ ثلاثہ کا ہے اور امام طحاوی نے کہا ہے کہ ہم بھی ایک مثل کو اختیار کرتے ہیں اور غرر الاذکار میں بھی ایک مثل کو اختیار کیا گیا ہے اور برہان میں ایک مثل ظاہر تر ہے حضرت جبریل کے اس بیان کی وجہ سے جو اس سلسلہ میں نص قطعی ہے۔ فیض میں ہے کہ اسی پر لوگوں کا عمل رہا اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا رہا۔ خزانۃ الروایات میں ملتقی البحار سے منقول ہے کہ امام صاحب نے امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول ایک مثل پر ظہر کا وقت ختم ہونے اور عصر کا وقت شروع ہونے کی طرف رجوع کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ فریقین کے دلائل سے واقف کار شخص بخوبی

جانتاہے کہ صاحبین کا قول قوی ہے اور امام صاحب کا قول ضعیف ہے۔ لہذا اس شخص کا فتویٰ معتبر نہیں ہے جو امام ابو حنیفہ کے مشہور قول پر دے۔

سوال:

نفرض کو جیسا کہ بعد رکعتین اولیین کے اقتصار سورۂ فاتحہ پر کرنا جائز ہے۔ ویسے ہی اس کو سورۂ فاتحہ کے ساتھ ضم سورہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

جواب:

جائز ہے۔ ردالمختار ص ۵۳۴ میں ہے:۔

لو ضم الیها سورة لا بأس به لان القراءة فی الاخریین مشروعة من غیر تقدیر والاقتصار علی الفاتحه مسنون لا واجب فکان الضم خلاف الاولی وذلك لا ینافی المشروعیة والاباحة اھ

ترجمہ: اگر پچھلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورت ملالے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ پچھلی دونوں رکعات میں بغیر تعیین کے قرأت مشروع ہے اور صرف سورہ فاتحہ کی تلاوت بھی مسنون ہے واجب نہیں مگر سورہ کا ملا کر پڑھ لینا ثانوی حیثیت کا حامل ہے لیکن یہ اس کے مشروع اور جائز ہونے کے منافی نہیں ہے۔

سوال:

مابین اذان مغرب و فرض کے دو رکعت نفل پڑھنا مباح ہے یا نہ؟

جواب:

قبل فرض مغرب کے مباح ہے۔ در مختار میں ہے:

وحرر اباحة رکعتین خفیفتین قبل المغرب واقره فی البحر والمصنف اھ

ترجمہ: اور مغرب سے قبل ہلکی سی دو رکعات کو جائز لکھا ہے اور بحر الرائق میں اور مصنف نے اس کا اقرار کیا ہے۔

مولانا عبدالحی بحر العلوم نے ارکانِ اربعہ میں تحریر کیا ہے:

وقد روی عبد الله بن مغفل قال قال رسول الله ﷺ صلوا قبل المغرب ثم قال صلوا قبل المغرب اھ وعن انس کان المؤذن اذا اذان قدم ناس من اصحاب النبی ﷺ یبتدرون ۔ السواری حتی یخرج النبی ﷺ وهم کل ذلك یصلون اھ

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مغفل بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نماز پڑھو مغرب سے پہلے، پھر فرمایا نماز پڑھو مغرب سے پہلے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ موذن جب اذان کہتا تو نبی اکرم ﷺ کے صحابہ میں سے لوگ جلدی جلدی ستونوں کی طرف بڑھتے حتیٰ

کہ جب آپ تشریف لاتے تو وہ سب (مغرب کے فرضوں س پہلے) نماز پڑھ رہے ہوتے الخ۔

اور مولانا محمد عبد الحی نے سعایہ میں تحریر فرمایا ہے:

فلو صلی احیانا بحیث لم یلزم منه تاخیر المغرب لم یکره البتة کما هو مقتضی تطبیق الاحادیث بعضها ببعض اه

ترجمہ: اگر اتفاقاً کوئی شخص اس طرح نفل پڑھے کہ فرض نماز میں تاخیر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ بعض احادیث کی آپس میں تطبیق کا یہی تقاضا ہے۔

سوال:

کیا آٹھ ہی رکعت تراویح سنت ہے؟

جواب:

ہاں۔ مگر باقی مستحب ہے۔ رد المحتار کے ص ۷۳۸ میں ہے:

وذکر فی الفتح ان مقتضی الدلیل کون المسنون منها ثمانیة والباقی مستحبا وتمامه فی البحر اه۔

ترجمہ اور فتح القدیر میں ذِکر کیا ہے کہ دلیل کا تقاضا آٹھ رکعت کا سنت (مسنون) ہوتا ہی ہے اور باقی مستحب ہیں۔ اس کی پوری بحث بحر الرائق میں ہے۔

سوال:

بنظر دفع بلاء مثل وباء وغیرہ کے نماز فرض فجر میں بعد رکوع کے قنوت پڑھنا جائز ہے یا نہ؟

جواب:

جائز ہے رد المحتار کے ص ۷۰۲ میں ہے:

فیقنت الامام فی الجهریة اه یوافقه ما فی البحر والشر نبلالیة عن شرح النقایة عن الغایة وان نزل بالمسلمین نازلة قنت الامام فی صلاة الجهر وهو قول الثوری واحمد اه وکذا ما فی شرح الشیخ اسمعیل عن البنایة اذا وقعت نازلة قنت الامام فی صلوة الجهریة لکن فی الاشباه عن الغایة قنت فی صلوة الفجر اه وهل المقتدی مثله ام لا وهل القنوت هنا قبل الرکوع ام بعده لا لم اره والذی یظهر لی ان المقتدی یتابع امامه الا اذا جهر فیو مّن وانه یقنت بعد الرکوع لا قبله الخ

ترجمہ: پس جہری نماز میں امام قنوت پڑھے اور یہ بحر الرائق اور شر بنلالیہ میں جو شرح نقایہ سے منقول ہے اس کے موافق ہے اور اس میں غایہ سے منقول ہے کہ اگر مسلمانوں پر بلا نازل ہو تو امام جہری نمازوں میں قنوت پڑھے اور یہ قول ثوری اور احمد کا ہے۔ اسی طرح شرح میں شیخ اسماعیل کے بنایہ سے منقول ہے کہ جس وقت کوئی بلا آئے تو امام جہری نمازوں میں قنوت پڑھے لیکن اشباہ میں غایہ سے منقول ہے کہ نماز فجر میں قنوت پڑھے لیکن میں نے نہیں دیکھا کہ مقتدی بھی امام کی طرح پڑھے یا نہ پڑھے اور قنوت رکوع سے پہلے پڑھے یا بعد میں، مگر معلوم یہی ہوتا ہے کہ جب امام جہر کرے تو مقتدی اپنے امام کی پیروی میں آمین کہے اور قنوت رکوع کے بعد پڑھے نہ کہ رکوع سے پہلے۔

سوال:

حدیث خرباق یعنی ذوالیدین منسوخ ہے یا نہیں؟

جواب:

نہیں۔ رد المختار صفحہ ۶۴۳ میں ہے:

ومنع النسخ بأن حديث ذی اليدين رواه ابو هريرة وهو متاخر الاسلام واجيب بجواز ان يرويه عن غيره ولم يكن حاضرا او تمامه فی الزيلعی قال فی البحر وهو غير صحيح لما فی صحيح مسلم عنه بينا انا اصلی مع رسول الله ﷺ وساق الواقعة وهو صريح فی حضوره ولم ار عنه جواباً شافيا اه

ترجمہ: اور ذوالیدین کی حدیث کو ابوہریرہ کے بیان کرنے کی وجہ سے منسوخ سمجھنے کی تردید کی گئی ہے کہ بے شک ابوہریرہ بعد میں اسلام لائے مگر یہ بھی تو ہو سکا ہے کہ انہوں نے یہی حدیث دوسرے لوگوں سے سن کر بیان کی ہو اور وہ خود موجود نہ ہوں۔ اس کی پوری بحث زیلعی میں ہے۔ بحر الرائق میں ہے کہ ابوہریرہ کا اس واقعہ کے وقت موجود نہ ہونا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم میں ابوہریرہ سے ان الفاظ میں یہ حدیث مروی ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتا تھا اور بیان کیا اس واقعہ کو اس سے تو ان کا حاضر ہونا واضح ہے اور میں نے اس کا کوئی شافی جواب نہیں دیکھا۔

سوال:

حدیثِ امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا منسوخ ہے یا نہیں؟

جواب:

نہیں۔ رد المختار صفحہ ۶۸۳ میں ہے:

قد ورد فی الصحيحين وغيرهما عن ابی قتادة ان النبی ﷺ كا يصلی وهو حامل امامة بنت زينب بنت النبی

ﷺ فاذا سجد وضعها واذا قام حملها وقد اجیب عنه باجوبة منها ما ذکره الشارح انه منسوخ بما ذکره من الحدیث وهو مردود بان حدیث ان فی الصلوٰة لشغلاً کان قبل الهجرة وقصة امامة بعدها ومنها ما فی البدائع انه ﷺ لم یکره منه ذلك لانه کان محتاجا الیه لعدم من یحفظها او للتشریع بالفعل ان هذا غیر مفسد ومثله ایضاً فی زماننا لا یکره لواحد منا فعله عند الحاجة اما بدونها فمکروه اه وقد اطال المحقق ابن امیر حاج فی الحلیة فی هذا المحل ثم قال ان کونه للتشریع بالفعل هو الصواب الذی لا یدل عنه کما ذکره النووی فانه ذکر بعضهم انه بالفعل اقوی من القول ففعله ذلك لبیان الجواز الخ

ترجمہ: صحیحین وغیرہ میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت زینبؓ کی بیٹی امامہ یعنی اپنی نواسی کو گود میں لے کے نماز پڑھ رہے تھے جب سجدہ کرتے تو اس کو رکھ دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اُٹھا لیتے۔ اس کا جواب کئی طرح دیا گیا ایک تو وہ ہے جسے شارح نے ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث اس حدیث سے منسوخ ہے جس میں ان فی الصلوٰة لشغلا ہے لیکن یہ قبل از ہجرت تھی اور امامہ کا قصہ ہجرت کے بعد کا ہے۔ دوسرا جواب وہ ہے جو بدائع میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فعل مکروہ نہیں کیونکہ آپ ﷺ نے یہ ضرورت کے تحت کیا ہے۔ اس لئے کہ امامہ کو سنبھالنے والا کوئی دوسرا شخص نہیں تھا یا اس فعل کی مشروعیت ظاہر کرنے کے لئے آپ نے ایسا کیا کہ ضرورت کے وقت ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور مفسدِ نماز نہیں اور ہمارے زمانے میں بھی کوئی ضرورت کے لئے ایسا کرلے تو مکروہ نہیں لیکن بغیر ضرورت کے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ محقق ابن امیر حاج نے حلیہ میں اس مقام میں طویل تقریر کرتے ہوئے کہا ہے کہ بیشک اس فعل کا کرنا مشروعیت بتانے کے لئے ہی درست ہے جس سے انکار ممکن نہیں جیسا کہ امام نووی نے ذِکر کیا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ فعل سے مشروع بتانا قول سے اقویٰ ہے پس آپ کا یہ فعل بیان جواز کے لئے تھا۔ اور تعلیق المجد میں ہے:

قال النووی ادعی بعض المالکیة انه منسوخ وبعضهم انه من الخصائص وبعضهم انه لفرورة وکلها دعاوی باطلة مردودة لا دلیل علیها الخ

ترجمہ: نووی کہتے ہیں کہ بعض مالکیہ نے اس حدیث کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ بعض آپ کا خاصہ بناتے ہیں اور بعض ضرورت کے لئے کہتے ہیں حالانکہ یہ سب دعوے باطل اور مردود ہیں جن کی کوئی دلیل نہیں۔ (باقی آئندہ)